پاکستان میں غیر مسلم شہریوں کے سماجی مسائل

ڈاکٹر خالد محمود*

Abstract

The social issues of the non-Muslim citizens of Pakistan have been discussed in this study. In the constitution (1973) of Pakistan, the non-Muslim citizens have been awarded the freedom to practice their own religion. However, due to the disticnt nature of the non-muslims, they are facing some social issues. On the other hand militancy which is a curse for the entire country, has impacted upon the non-Muslims. Poverty and unemployment is the common issue for all the Pakistani citizens, however, the non-Muslim citizens have to face distinct problems in this regard. Moreover, the non-Muslim citizens who live in the cities; have to face various types of residential issues. The constitution has however, gives them equal social rights. Hence, the paper analyses different Governments' success as well as failures, so that, these communities can get more facilities as the citizen of Pakistan.

تلخیص

زیر نظر تحقیق میں پاکستان میں غیر مسلم شہریوں کو درپیش سماجی مسائل کا جائزہ لیا گیا ہے پاکستان کے دستور کی رُو سے غیر مسلم شہریوں کو اپنے اپنے مذہب پر عمل پیرا ہونے کی مکمل آزادی حاصل ہے لیکن عملی طور پر انہیں سماج میں کچھ مسائل درپیش ہیں۔ ملک کے اکثر دیہی علاقوں میں غیر مسلم شہریوں کی بڑی تعداد جاگیرداروں اورکسانوں کے رحم و کرم پر ہے۔

---

* لیکچرار شعبۂ مطالعہ پاکستان، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

مذہبی آزادی

پاکستان میں دستور کی رُو سے تمام شہریوں کو اپنے اپنے مذہب پر عمل پیرا ہونے کی مکمل آزادی حاصل ہے لیکن امتیازی قوانین اقلیتوں کے لیے مذہبی آزادی کو محدود کرتے ہیں۔ نورین نذیر نے پاکستان کے مذہبی و معاشرتی مسائل کو موضوع بناتے ہوئے مسیحیت اور اسلام دونوں کو مشنری مذاہب قرار دیا ہے اس سلسلے میں انہوں نے میثاق مدینہ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اسلامی ریاست میں تمام مذاہب سے تعلق رکھنے والوں کو اپنے مذہب پر عمل پیرا ہونے اور اس کی تبلیغ کی آزادی حاصل تھی لیکن پاکستان میں مسیحی شہریوں کو دوسرے درجے کا شہری بنا دیا گیا ہے۔[۱] پاکستان کے قیام سے پہلے جب بھی اچھوتوں نے اسلام یا عیسائیت قبول کرنے کی کوشش کی تو انہیں ایسا کرنے سے بازرکھا گیا تاکہ انہیں وہ حقوق نہ مل سکیں جو اسلام یا مسیحیت اختیار کرنے کے نتیجے میں انہیں مل سکتے ہیں۔[۲] صرف یہی نہیں بلکہ پاکستان میں بسنے والے ہندواب تو آزادی کے ساتھ ہولی یا دیوالی کا تہوار بھی نہیں منا سکتے ملک میں اسلامائزیشن کے ذریعے ہندوؤں او رمسیحیوں کو پسماندہ بنادیا گیا ہے۔[۳]

مذہبی شناخت کا مسئلہ

پاکستان میں بسنے والی مذہبی اقلیتیں مذہبی بنیاد پر اپنی پہچان اور شناخت کو نمایاں کرنے کی خواہش مند ہیں، اقلیت ہونے کا احساس ہی انہیں اپنا وجود برقرار رکھنے کی ترغیب دیتا ہے اگرچہ یہ لوگ اکثریتی طبقے کے ساتھ رہنے کے باوجود اپنے کلچر اور رسم و رواج کو کسی حد تک برقرار رکھے ہوئے ہیں لیکن اس ضمن میں پاکستان کے غیر مسلم شہریوں کو متعدد مسائل کا سامنا کرنا پڑرہاہے۔ واضح رہے کہ نہ صرف اقلیت بلکہ پورا پاکستانی معاشرہ چند انتہا پسندوں کی شرپسندی کا شکار ہے۔

اقلیتوں کی مذہبی شناخت کے حوالے سے غلام محی الدین کا کہنا ہے کہ کراچی کے ہندو اپنی شناخت کھورہے ہیں ہندو ناموں سے موسوم بستیاں اور گلیاں بے حد مشہور تھیں اور

کسی کو ان کے ناموں پر اعتراض نہ تھا لیکن اس کے باوجود تعصب کی بنیاد پر یہ نام تبدیل کردیے گئے، کراچی کے مشہور گرو مندر چوک کا نام تبدیل کر کے بابری چوک رکھا گیا تھا اس کے باوجود لوگ اب بھی اسے گرو مندر کہہ کر پکارتے ہیں عمارتوں اور سڑکوں کے نام تبدیل ہوجانے سے ہندو وَں کی شناخت متاثر ہوئی ہے اور اب کراچی شہر سے ہندوؤں کی چند قدیم نشانیاں تیزی سے ختم ہورہی ہیں۔ یہ بات قابل افسوس ہے کہ ہندوؤں کے مندر اب ویران ہوچکے ہیں لوگ اپنے مذہب کی رسومات اکثر اپنے گھروں میں ہی انجام دے رہے ہیں، ہم شہر میں رہنے والے ہندوؤں کو آسانی سے شناخت نہیں کرسکتے دھوتی پہننے والے تو شاید ہی کہیں نظر آئیں۔ ہندو مرد مسلمانوں کی طرح شلوار قمیض پہنتے ہیں اور مسلمانوں کی طرح داڑھی بھی رکھتے ہیں، مسلم کلچر میں رہ کر ان کی اپنی شناخت متاثر ہوئی ہے۔[۴] پاکستان میں بسنے والے ہندو کافی حد تک مسلمانوں سے ملتے جلتے ہیں، گوشت بھی کھاتے ہیں اورکسی کے ساتھ تعصب کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ کچھ ہندو محرم کے مہینے میں تعزیہ بھی نکالتے ہیں اور ماتم بھی کرتے ہیں البتہ ان کے کچھ رسم ورواج مسلمانوں سے مختلف بھی ہیں جیسا کہ ہندومذہب میں لڑکے اور لڑکی والے اپنے خاندان میں شادی نہیں کرتے بلکہ کئی کئی نسلوں کا فاصلہ رکھتے ہیں اگرکوئی شخص مرتا ہے تو میت والے گھر بارہویں دن کھانا پکتا ہے یہ کھانا سب سے پہلے پنڈت کھاتا ہے اور پنڈت کے کھانے سے پہلے اور کوئی شخص کھانا نہیں کھاسکتا اس موقع پر پنڈت گھر کو پاک کرنے کا اعلان کرتا ہے اور جب تک وہ گھر کے پاک ہونے کا اعلان نہ کرے، مردہ والے گھرکو ناپاک تصورکیا جاتا ہے اس لیے پنڈت کو خوش کرنے لیے کچھ رقم بھی دینا پڑتی ہے اسی طرح اگر کوئی ہندوکسی جانور کو مارڈالے تو اسے ناپاک سمجھا جاتا ہے اور پنڈت اسے سات مختلف گاؤں سے بھیک منگواکر پاک کرتا ہے محبوب صدا کے مطابق قیام پاکستان سے لے کر اب تک مسیحیوں کا سب سے بڑا مسئلہ مذہبی شناخت کا ہے۔[۵]

اقلیتی شہریوں کی مذہبی شناخت میں ان کے رسوم و رواج اور کلچر کا بھی اہم کردار ہوتا ہے۔ انہی رسم و رواج سے اقلیتوں کی شناخت باقی رہتی ہے اگرچہ بعض رسموں پر اچھے

خاصے اخراجات بھی ہوتے ہیں اگر معاشی حالات بہتر ہوں تو کوئی بھی اقلیتی گروہ انہیں چھوڑنا نہیں چاہتا لیکن مجبوری کے سبب پاکستان کے اقلیتی گروہوں کو اپنی رسمیں ترک کرناپڑتی ہیں۔ تاہم یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ پاکستان بھر کے سکھوں کی شناخت بھی متاثر ہو رہی ہے ہندوؤں کی طرح سکھ شہری بھی اپنی شناخت برقرار رکھناچاہتے ہیں لیکن وہ اکثریتی طبقے سے خوف کے سبب خود کو نمایاں کرنے سے گریز کرتے ہیں ،اس کی ایک بڑی وجہ سکھوں کی آبادی کا کم ہونا ہے۔ اس کے برعکس مسیحیوں کی آبادی کہیں زیادہ ہے لیکن اس طبقے میں اب زیادہ تر لوگ اپنے بچوں کے نا م کے ساتھ مسیح کا لفظ نہیں لگاتے کیونکہ اس کے سبب بعض جگہوں پر انہیں تعصب کا نشانہ بنایاجاتا ہے خاص طور پر بڑے شہروں میں رہنے والے مسیحی چاہتے ہیں کہ انہیں سماجی مسائل کاسامنا کم سے کم کرنا پڑے لہٰذاوہ بچوں کے نام کے ساتھ مسیح کالفظ لگا کر انہیں نمایاں نہیں کرتے۔

ذات پات کانظام

ہندوستان میں ذات پات کی تقسیم صدیوں کے تسلسل کا حصہ ہے جسے آج بھی کسی نہ کسی صورت میں دیکھا جاسکتا ہے ہندوستان میں جہاں برہمن طبقے کو سیاہ وسفید کا مالک تصور کیا جاتارہا، وہاں اچھوت لوگوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک بھی کوئی معیوب بات نہیں تھی۔ ڈاکٹر مبارک علی نے اچھوتوں کی تاریخ قلم بند کرتے ہوئے یہ تجزیہ پیش کیا ہے کہ اگرچہ مسلمان حکمرانوں نے ہندوستان پر حملے کرنے کے بعد عنان حکومت ضرور سنبھال لی لیکن یہاں کی سماجی وطبقاتی تقسیم کو ختم نہ کرسکے مسلمان حکمرانوں نے کبھی بھی نچلی ذات کے لوگوں میں اسلام پھیلانے اور انہیں مسلمان بنانے کی کوشش نہیں کیونکہ اگروہ ایسا کرتے تو اسلامی عقیدے کی رو سے کچلے ہوئے طبقات کے لوگوں کو بھی مساوی حقوق مل جاتے[٦] اسی وجہ سے مسلمان حکمرانوں نے بڑی ذات کے لوگوں کو اپنے ساتھ ملایا اور نچلے طبقے کو نظرانداز کیا انگریزوں کے دور میں بڑی تعداد میں مشنری آئے تو نچلے درجہ کے لوگوں کو عیسائی بنانے کا کام منظّم ہوا اس عرصے میں اچھوت لوگوں کو بھی احساس ہواکہ وہ بھی اپنا

سماجی رتبہ بلند کرسکتے ہیں۔ یہی وہ سوچ تھی جس نے ہندوستانی ماحول کا جمود توڑا اور اچھوتوں کو بھی حصولِ تعلیم کا حق ملا شہروں میں صنعتی کارخانوں اور دیگر اداروں کو فروغ ملا تو یہاں چھوٹی ذات کے لوگوں کو بھی اونچی ذات کے لوگوں کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔[۷] اختر حسین بلوچ نے اپنی تحقیقی رپورٹ میں لکھا ہے کہ پست اقوام کے ساتھ آج بھی امتیازی سلوک کیا جارہا ہے اور جب بھی پست اقوام کے لوگ سیاسی وسماجی ترقی کی طرف بڑھنے لگتے ہیں تو اُن کے اپنے ہم مذہب اونچی ذات کے ہندو بھی اس عمل کو برداشت نہیں کرسکتے ہوٹلوں میں پست اقوام کے لوگوں کو کھانے کے لیے عام استعمال کے برتن نہیں دیے جاتے بلکہ ان کے لیے علیحدہ سے برتن رکھے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شیڈول کاسٹ لوگ سیاسی طور پر بھی بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔[۸]

مندرجہ بالا بحث سے واضح ہوتا ہے کہ پاکستان میں ذات پات کے نظام کو آج بھی اہمیت حاصل ہے اور اعلیٰ ذات کے لوگ نچلی ذاتوں سے تعلق رکھنے والوں کے ساتھ غیرانسانی سلوک کا برتاؤ کرتے ہیں۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ غیر مسلم شہریوں کے ساتھ برے سلوک کی وجہ مذہبی ہی نہیں بلکہ معاشی بھی ہے عموماً پست ذات کے لوگ غربت اور استحصال کا شکار ہوتے ہیں اور تعلیم کے حصول سے محروم رہتے ہیں جس کے سبب انہیں نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے

اقلیتوں کے ساتھ امتیازی سماجی رویہ

پاکستان میں غربت اور پسماندگی قدیم دور سے ہی موجود ہے اور ذات پات کا نظام بھی صدیوں پُرانا ہے غریب شروع ہی سے غریب چلا آرہا ہے اور انتہائی محنت و مشقت کرنے کے باوجود بھی اپنی آنے والی نسلوں کو غربت وپسماندگی کے چنگل سے نجات نہیں دلاسکا۔ اگرچہ عام شہریوں کو کسی نہ کسی صورت میں آگے بڑھنے کے مواقع مل ہی جاتے ہیں لیکن اقلیتی شہریوں کو سماجی امتیاز اور تعصب کے سبب ترقی کے مواقع نہیں ملتے، اس ضمن میں اختر حسین بلوچ کی تحقیق صوبہ سندھ میں شیڈول کاسٹ ہندوؤں کی تاریخ اور موجودہ

دور کے سماجی وسیاسی حالات کے ساتھ ساتھ ان کے اقتصادی مسائل سے متعلق معلومات فراہم کرتی ہے پاکستان میں ذات پات کے نظام کی وجہ سے صرف غیر مسلم ہی نہیں بلکہ اکثریتی طبقات بھی متعدد مسائل کا شکار ہیں۔ اگر یہ اقلیتی فرقے چھوٹی ذات کے لوگوں میں شمار کیے جاتے ہوں تو انہیں اپنے ہی ہم مذہب افراد کے ظلم وستم کا سامنا کرنا پڑتا ہے یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ نسل درنسل غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ بلوچ کا کہنا ہے کہ شیڈول کاسٹ سے تعلق رکھنے والے افراد پاکستان میں ہی نہیں بلکہ پورے جنوبی ایشیا میں ظلم وتشدد کا شکار ہیں اور یہ سلسلہ صدیوں پرانا ہے ان لوگوں کا تعلق دراوڑقوم سے ہے اور جب آریا آئے تو انہوں نے ان لوگوں کو اپنی غلامی میں لے لیا اُس دورسے لے کر آج تک یہ غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں ۹ ہندوستان میں انگریز کی حکومت قائم ہوئی تو انھوں نے عیسائیت کو ریاست کا مذہب بنانے کی کوشش کی لیکن جب انھیں اپنے اس مشن میں ناکامی ہوئی تو اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے انھوں نے پسماندہ ہندوؤں کی طرف توجہ دی اور انھیں میسحیت میں داخل کیا اس وقت پسماندہ ذات کے ہندو ؤں کی سماجی حالت قابل رحم تھی اور یہ لوگ سماج میں ذلت آمیز زندگی گزار رہے تھے۔ لہٰذا ان لوگوں نے اس مقصد کے لیے میسحیت قبول کی کہ اُن کے حالات بد ل جائیں اور ان کی زندگی میں مثبت تبدیلی آجائے لیکن ان کو سماجی و سیاسی طور پر مزید پیچھے دھکیل دیا گیا جب ان لوگوں نے میسحیت قبول کی تو ان کو شہر سے دور علیحدہ آبادیوں میں بساکر معاشرے سے الگ رکھا گیا۔ یہاں تک کہ شودر ذات سے تعلق رکھنے والے جن لوگوں نے عیسائی مذہب اختیار کیا تھا وہ انگریزوں کے ساتھ مل کر عبادت بھی نہ کر سکتے تھے اور ان کی عبادت کے لیے گرجا گھر بھی علیحدہ تھے۔۱۰ سندھ میں سب سے بڑی اقلیت پست اقوام ہندوؤں کی ہے ان لوگوں کی اکثریت مسلمان جاگیرداروں کے پاس ہاری کی حیثیت سے کام کرتی ہے ،ان کا مخصوص قبائلی طرز رہن سہن ہے اور یہ لوگ عام لوگوں میں گھل مل کرنہیں رہتے جبکہ دوسری بڑی اقلیت اعلیٰ ذات ہندوؤں کی ہے جوکاروبار یا تجارت وغیرہ کرتے ہیں سندھ میں رہنے والے پست اقوام اور اعلیٰ ذات کے ہندوپاکستان کی کل آبادی کا ۲فیصد ہیں۔۱۱

مذہبی اقلیتوں کی حب الوطنی

قیام پاکستان کے بعد جہاں بہت بڑے پیمانے پر نقل مکانی ہوئی وہاں بے شمار ہندوؤں، مسیحیوں، سکھوں اور دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے شہریوں نے اپنے وطن پاکستان میں رہنے کا فیصلہ کیا۔ جن حالات میں ان غیر مسلم شہریوں نے پاکستان کے ساتھ جینے اور مرنے کا فیصلہ کیا اس کی روشنی میں غیر مسلم شہریوں کی حب الوطنی میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہوسکتی تھی بدقسمتی سے پاکستان میں روزِ اول سے ہی مذہبی اقلیتوں کو شک کی نگاہ سے دیکھا گیا اور قائد اعظم محمد علی جناح کی زندگی میں ہی ان کے لیے بے تحاشہ مسائل کھڑے کیے گئے اگرچہ جناح نے مذہبی امتیاز کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اقلیتوں کی جدوجہد اور قربانیوں کو سراہا اور انہیں ریاست کا مساوی شہری قرار دیا لیکن بابائے قوم کی وفات کے بعد جیسے جیسے وقت گزرتا رہا، اقلیتوں کے مسائل میں اضافہ ہوتا رہا۔ اس ضمن میں احمد سلیم کا کہنا ہے کہ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں فوج میں شامل غیر مسلم سپاہیوں اور افسروں نے پاکستان کی خاطر اپنی جانوں کی قربانی دے کر دشمن سے مقابلہ کیا۔[۱۲] یہ بات مسلمہ ہے کہ کسی بھی صورت میں جنگ کو پسندیدہ نہیں کہا جا سکتا لیکن ۱۹۶۵ء کی جنگ پاکستان کے مسیحیوں کے لیے بابرکت ثابت ہوئی۔ دوران جنگ پاکستان کے مسیحیوں نے اپنی جانوں کے نذرانے دے کر ملک کی بقا کی جنگ لڑی۔[۱۳] گلزار وفا چوہدری نے مسیحیوں کی قائم کردہ غیر سرکاری تنظیموں کے بے شمار مسائل کا تذکرہ بھی کیا ہے کیونکہ غیر سرکاری ادارے حکومت کے حصے کا کام بھی کر رہے ہیں اور ان اداروں نے اپنا مالی بوجھ بھی خود ہی اٹھا رکھا ہے۔[۱۴]

حقیقت تو یہ ہے کہ ملک کی تما م مذہبی اقلیتوں نے پاکستان کو اپنا وطن سمجھا ہے اقلیتی طبقات نے ہر کڑے وقت میں پاکستانی قوم کا ساتھ دیا اور پاک بھارت جنگوں میں مسلمان فوج کے شانہ بشانہ دشمن کے خلاف جنگ میں حصہ لیا درجنوں غیر مسلم افسران اور جوانوں نے دشمن کے خلاف لڑتے ہوئے اپنی جانیں قربان کیں۔

غربت و بے روزگاری

پاکستان میں غربت اور بے روزگاری کے سبب عوام کو شدید معاشی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے غربت، بے روزگاری اور مہنگائی ایسے عمومی مسائل ہیں جن کا تعلق مذہب سے نہیں بلکہ ملک کی معیشت اور ریاستی منصوبہ بندی سے ہے لیکن غربت، بے روزگاری، جہالت اور مذہبی تعصب کی بنا پر غیر مسلم شہریوں کوخاص طور پر زیادہ مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس ضمن میں گلزار وفا چوہدری نے اقتصادی بدحالی، بے روزگاری اور تعلیم کی کمی کو اقلیتوں کے اہم مسائل کا بنیادی سبب قرار دیا ہے۔[۱۵] پاکستان جیسے معاشرے میں غربت کو تقویت دینے میں وڈیروں اور صنعتکاروں کا ہی نہیں بلکہ ملک کی سیاسی جماعتوں اورعوام کے اپنے سیاسی رہنما ؤں کا بھی اہم کردار ہے صرف یہی نہیں بلکہ خود عوام کے پیدا کردہ مسائل بھی ان کی غربت میں اضافے کا باعث ہیں،جیسے دیہاتوں میں روزگار کے مواقع نہ ہونے کے سبب لوگوں کا شہروں میں آنااور پھر دوسروں کی مدد کا محتاج ہونا، شہروں میں رہائشی سہولیات کی عدم فراہمی تعلیم کی کمی، خاندانی طور پرغریب ہونا، بچوں کی تعداد کا زیادہ ہونا، فضول رسم و رواج پر اخراجات،نہ صرف شادی بیاہ بلکہ موت کے مواقع پربھی سینکڑوں افراد کی میزبانی کرنااور کفایت شعاری کی بجائے دوسروں کی نظر میں معتبر بننے کی خواہش جیسے اسباب لوگوں کو ان کی حالت بدلنے نہیں دیتے۔ [۱۶] سلطان نے ایک اور جگہ اقلیتوں کی پسماندگی کاتذکرہ کرتے ہوئے بتایاہے سندھ میں مسیحیوں کی پسماندگی کا جائزہ لیا جائے توسندھ کی عیسائی اقلیت کی تعداد ہندوؤں کے مقابلے میں انتہائی کم ہے سندھ کے عیسائیوں کے دوبڑے طبقات ہیں جو ایک دوسرے بالکل مختلف ہیں ان میں پنجابی عیسائی اور سندھ کے قبائلی عیسائی شامل ہیں پنجابی عیسائی پنجاب سے نقل مکانی کرکے سندھ میں آباد ہوئے تھے ان کامقصد تلاش معاش تھا اور ان لوگوں نے سندھ میں منتقل ہونے کے بعد اپنے آپ میں معمولی بہتری بھی لائی ہے اس کے برعکس سندھ کے قبائلی عیسائی وہ لوگ ہیں جو شروع سے سندھ میں رہتے تھے اور ہندوؤں کے مختلف قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے لیکن بعد میں ان لوگوں نے عیسائیت قبو ل کر لی تاہم آج بھی ان لوگوں کی حالت زار انتہائی قابل رحم ہے اور ان کو جدید سہولتوں سے

واقفیت تک نہیں ہے یہ لوگ خانہ بدوشوں کی طرح اپنی زندگیاں بسر کرتے ہیں۔[۱۷] دوسری جانب شیڈول کاسٹ سے تعلق رکھنے والے افراد پاکستان میں ہی نہیں بلکہ پورے جنوبی ایشیا میں ظلم وتشدد کا شکار ہیں اور یہ سلسلہ صدیوں پرانا ہے۔ زمانہ قدیم سے ہی سماج نے نچلی ذات کے لوگوں کو گندگی صاف کرنے، مردہ جانور اُٹھانے اور محنت مشقت کرنے پر آمادہ کیا اور اس طرح یہ لوگ ہمیشہ کے لیے انہی کاموں کے لیے وقف ہوگئے۔[۱۸] پاکستان کے آئین میں اقلیتوں کے حقوق کی ضمانت دی گئی ہے لیکن یہ صرف آئین کی حد تک ہے اگر آئین میں اقلیتوں کو دیے گئے یہ حقوق عملی طور پر بھی دے دیے جائیں تو یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ پست اقوام کی حالت کافی حد تک بہتر بنائی جا سکتی ہے۔ [۱۹]

مندرجہ بالا بحث سے اقلیتوں کی غربت اور بے روزگاری کے اسباب سامنے آتے ہیں اقلیتی شہریوں کے ان مسائل کو حل کرنے کے لیے کبھی بھی سنجیدگی سے کام نہیں لیا گیا اگرچہ دستور میں غیر مسلم شہریوں کووہی حقوق فراہم کیے گئے ہیں جو کہ اکثریتی طبقے کوحاصل ہیں لیکن ان کا اطلاق عملی طور پر نہیں ہوتا، ملک میں سیاسی جماعتیں محض منشور کی حد تک اقلیتوں کے حقوق کی ترجمانی کرتی ہیں جب کہ اقلیتی نمائندے بھی اپنے ذاتی مفادات کے حصول میں دل چسپی رکھتے ہیں مزید یہ کہ ہمارے سماجی رویوں نے غیر مسلم شہریوں کو غربت کی دلدل میں دھکیل دیا ہے جیسا کہ اقلیتی شہریوں کی بھی خواہشات ہوتی ہیں، ان خواہشات کی تکمیل کے لیے وہ غربت کے باوجود ذہنی طور پر اپنی غربت کو تسلیم نہیں کرتے ان کے پاس اپنے کھانے کے لیے بھی نہیں ہو تا لیکن اس کے باوجود یہ لوگ قرض لے کر اپنی رسوم پر بلاضرورت خرچ کرتے ہیں تا کہ برادری اور خاندان میں عزت رہ جائے۔

حقیر پیشے:

اقلیتوں کے ذرائع روزگار کا بہتر نہ ہونا بھی ان کی ادنیٰ سماجی حیثیت کا ایک اہم سبب ہے پاکستان کی پسماندہ مذہبی اقلیتیں زیادہ تر ایسے پیشوں سے منسلک ہیں جنہیں معاشرے میں حقارت سے دیکھا جاتاہے، اگرچہ ان پیشوں میں کام کی نوعیت بہت مشکل ہوتی ہے لیکن اس کا معاوضہ محنت کے مقابلے میں انتہائی کم ہوتاہے ڈاکٹر پرویز سلطان نے

مسیحیوں کے حالات بیا ن کرتے ہوئے وضاحت کی ہے کہ پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک میں مسیحیوں کو دوہرے مسائل کا سامنا کرنا پڑتاہے ایک تو یہ کہ وہ مذہبی اقلیت ہونے کی وجہ سے مسائل کا شکار ہیں اور پھر وہ اس قسم کے پیشوں سے منسلک کر دیے گئے ہیں جن کوبراتصور کیاجاتا ہے مسیحیوں کی بڑ ی تعداد صفائی کے کام سے منسلک ہے، تعلیم نہ ہونے کے سبب یہ لوگ بہت ہی قلیل معاوضے کے بدلے انتہائی مشکل کام کرتے ہیں، اس کے باوجود سماج ان کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے[۲۰] آفتاب الیگزنڈر مغل نے مسیحیوں کے سماجی و سیاسی مسائل کے حوالے سے لکھاہے کہ مسیحیوں کی اکثریت صرف صفائی کے کام سے وابستہ ہے جبکہ تعلیم یافتہ مسیحی بھی چپڑاسی سے آگے نہیں جا سکتے۔[۲۱] غلام محی الدین نے کراچی کی ہندو اقلیت کے مسائل بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ کراچی کے قدیم ہندو بہت بڑے تاجر تھے جو ہجرت کرکے ہندوستان چلے گئے لیکن جو لوگ اس وقت کراچی میں آباد ہیں ان کی اکثریت غربت وافلاس اور پسماندگی کی زندگی بسر کررہی ہے مصنّف کے بقول وہ لوگ جو قدیم ہندوآبادیوں میں رہتے ہیں وہ زیادہ تر سینی ٹیشن کا کام کرتے ہیں جبکہ گوٹھوں اور نواحی بستیوں میں رہنے والے ہندو مرغیوں کے چوزے بیچتے ہیں، مزدوری کرتے ہیں، رسیاں بٹتے ہیں، سڑکوں پر کھڑے ہوکر گاڑیوں کی صفائی کے کپڑے بیچتے ہیں بہت سے لوگ بھیک بھی مانگتے ہیں اور کچھ بوٹ پالش کرکے گزاراکرتے ہیں اخبار یا پھول بیچنے والے بچوں کی اکثریت بھی ہندو مذہب سے تعلق رکھتی ہے جبکہ خانہ بندوش لوگوں کا کوئی مستقل ذریعہ معاش نہیں ہوتا بلکہ وہ روزانہ کی کمائی سے روزانہ کی ضروریات پوری کرتے ہیں۔[۲۲] حقیقت تو یہ ہے کہ سماج نے نچلی ذات کے لوگوں کوگندگی صاف کرنے کے لیے وقف کر دیا اور انہیں مردہ جانور اٹھانے پر آمادہ کیا، نچلی ذات سے تعلق رکھنے والے لوگ ہمیشہ کے لیے ان ہی کاموں کو انجام دینے کے لیے وقف کر دیے گئے۔[۲۳]

مندرجہ بالا بحث سے اقلیتوں کے ذرائع روزگار کے مسائل سامنے آتے ہیں ہمارے معاشرے میں حقیر پیشوں اور کاموں کوپسماندہ مذہبی اقلیتوں کے لیے مختص کر دیا گیا ہے یہ بات اہمیت کی حامل ہے کہ غیرمسلم شہریوں کوتعلیم اور ملازمت کے بہتر مواقع حاصل نہیں

ہیں جس کے سبب حقیر پیشوں کو قبول کرنا اقلیتی شہریوں کی نہ صرف مجبوری ہے بلکہ بعض صورتوں میں انہیں صفائی کے کام سے منسلک روزگار بھی نہیں مل پاتا کیونکہ جب ملک بھر کے تمام اقلیتی شہریوں کوصرف صفائی کرنے کا کام دیا جائے تو روزگار کاحصول مشکل ہو جاتا ہے صفائی اور اس قسم کے دیگر کاموں سے منسلک غیرمسلم شہریوں کااستحصال بھی نمایاں طور پر دیکھا جاتا ہے جو لوگ گھروں یا بنگلوں میں کام کرتے ہیں ان کی تنخواہ انتہائی کم ہوتی ہے او ر کام کا دورانیہ طویل، مزید یہ کہ ہفتہ وار چھٹی بھی بہت کم لوگوں کو ملتی ہے

معاشی استحصال اور کم اجرت

اقلیتی شہریوں کو ہمارے ملک میں خاص طور پر استحصال کانشانہ بنایا جاتا ہے غیرمسلم شہری زیادہ تر گھریلو ملازمین، بھٹہ مزدور اور سینٹری ورکرز کی حیثیت سے کام کرتے ہیں غیر مسلم شہریوں کوویسے بھی معاشرے میں انتہائی حقارت سے دیکھا جاتا ہے اور انہیں امتیازی سلوک کانشانہ بنایاجاتا ہے جب کہ بھٹوں پر مزدوری کرنے یاصفائی کا کام کرنے والے اقلیتی شہریوں سے خاص طور پر نفرت کااظہار کیا جاتا ہے اقلیتی خواتین کو تومزید مشکلات کاسامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ انہیں عام طور پر بکاؤ مال سمجھا جاتا ہے، ان سے مردوں کی طرح پورا کام لیا جاتا ہے لیکن اجرت بہت کم دی جاتی ہے جس کے سبب محنت کرنے کے باوجود ان کی حالت زاربہتر نہیں ہوتی۔

فادر بونی مینڈس نے انسانی حقوق کا پس منظربیان کرتے ہوئے غریب اور پسماندہ لوگوں کے حقوق کا استحصال کرنے والوں کو اپنی بحث کاموضوع بنایا ہے اور واضح کیا ہے کہ غیرمسلم شہری اپنے حقوق کے لیے کس قدر آواز بلند کر سکتے ہیں مصنف نے اس ضمن میں دو پاکستانی مسیحی تحریکوں کا تذکرہ کیا ہے ،پہلی تحریک اس وقت چلائی گئی جب مسیحی تعلیمی اداروں کو قومی تحویل میں لے لیا گیا جبکہ دوسری تحریک شناختی کارڈ میں مذہبی خانے کے اضافے کے خلاف چلائی گئی۔[۲۴] ڈاکٹر پرویز سلطان نے ملتان ڈایوسس کے زیر اہتمام مسیحی دیہی علاقوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ موجودہ حالات میں غربت اور مہنگائی کے باعث لوگ مجبور ہیں کہ وہ شام کے اوقات میں بھی کوئی کام کریں اکثر لوگ بنگلوں وغیرہ پر

کام کرتے ہیں اور طویل وقت تک کام کرنے کے باوجود انہیں برائے نام معاوضہ دیا جاتا ہے۔ یہ لوگ اپنے بچوں کو بھی اپنے ساتھ کام پر لگاتے ہیں لہٰذا ان کے بچے تعلیم حاصل کرنے سے محروم رہتے ہیں۔ اکثر بستیوں میں رہائش پذیر مسیحی ان پڑھ ہونے کی وجہ سے فہم وفراست سے عاری ہوتے ہیں جس کے سبب بہت سے سیاستدان لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور انہیں اپنے مفادات کے لیے استعمال میں لاتے ہیں،صرف یہی نہیں بلکہ مسلم آبادیوں میں رہنے والے عیسائی افراد کو بھی دوسرے درجے کے شہریوں کی سی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے فیکٹریوں میں کام کرنے والے عیسائی مزدوروں کا بھی استحصال کیا جاتا ہے انہیں اوّل تو ملازمت ملتی ہی نہیں اور اگرمل بھی جائے توان کو قدم قدم پر امتیازی سلوک کا سامنا کرنا پڑتا ہے گھروں سے باہر کام کرنے والی خواتین کے مسائل تو اس سے بھی بڑھ کر ہیں خصوصاً جب انہیں کام کرنے کے لیے اپنے گھروں سے زیادہ دور جانا پڑے۔**۲۵**
دلت لوگوں کی تاریخ بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر مبارک علی نے لکھا ہے کہ دلت کا مطلب ہے کچلے ہوئے لوگ، جن کا استحصال صدیوں سے کیا جاتا رہا ہے یہی وجہ ہے کہ پسماندہ لوگوں کی کوئی تاریخ نہیں، انہوں نے صدیوں تک امیر لوگوں کی خدمت کی لیکن ان کی خدمات کو کوئی تسلیم کرنے کو بھی تیار نہیں، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے سماج کو گندگی سے پاک کیا لیکن سماج نے ان کو غلاظت کا حصہ سمجھ لیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری تاریخ کا مرکز غلاظت ہے، ان لوگوں کو کبھی مذہب کے نام پر ذلیل کیا گیا تو کبھی اخلاقی بنیادوں پر انہیں محکوم بنایا گیا ان لوگوں کو شہروں سے دور گندے علاقوں میں جا کر رہنے پر مجبور کیا گیا، سماج نے انہیں ان پڑھ اور جاہل قرار دے کر انہیں اپنا غلام بنائے رکھا یہ لوگ نہ تو اچھا کھانا کھا سکے، نہ اچھا لباس پہن سکے اور نہ ہی اچھی جگہ رہائش اختیار کر سکے ان لوگوں کو تمام سہولیات سے محروم کر کے انہیں گندگی کا کیڑا بنا کر رکھا گیا۔**۲۶** حقیقت تو یہ ہے کہ ان سینٹری ورکرز کو شدید موسموں میں بھی بغیر حفاظتی اقدامات کے کام کرنا ہوتا ہے لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کہ یہ طبقہ اس طرح کے سینٹری ورک سے منسلک ہے بلکہ قیام پاکستان سے پہلے سے ہی یہ ان لوگوں کا خاندانی پیشہ رہا ہے۔ اوقات کار طویل ہونے کے باعث ان کی

زندگی میں آرام نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی زیادہ تر خاکروب کا کام غیر مسلم ہی کرتے ہیں لیکن جہاں کہیں مسلم سینٹری ورکرز ہوتے ہیں، اکثروہ اپنا کا م نہیں کرتے اور ان کے حصے کا کام بھی غیر مسلموں کو کرنا پڑتا ہے دوسری جانب بھٹوں پر کام کرنے والوں کی کل تعداد کا ۷۰ فیصد غیر مسلم مزدوروں پر مشتمل ہے جبکہ ان کا استحصال بڑی آسانی سے کیا جارہا ہے ان مزدوروں کے پاس نہ تو قومی شناختی کارڈز ہوتے ہیں اور نہ ہی یہ لوگ ووٹ دینے کے مجاز ہوتے ہیں،ساری عمربے گھر رہنے کے علاوہ ان مزدوروں کو سوشل سیکیورٹی بھی حاصل نہیں ہوتی اور نہ ہی ان کو کسی قسم کی طبی سہولت مہیا کی جاتی ہے۔ مزید یہ کہ غیر مسلموں کی بڑی تعداد گھروں میں کام کرتی ہے جنہیں صبح سویرے سے رات گئے تک گھروں میں کام کرنا پڑتا ہے، گھریلو ملازمین کو بھی بہت زیادہ کام کے بدلے انتہائی قلیل معاوضہ ادا کیاجاتا ہے، چونکہ گھریلو ملازمین کو صنعتی مزدور تصور نہیں کیا جاتااس لیے انہیں وہ برائے نام سہولیات بھی حاصل نہیں ہوتیں جودیگر مزدوروں کو دی جاتی ہیں۔[۲۷]

مندرجہ با لا بحث سے واضح ہوتا ہے کہ اقلیتوں کا استحصال کس طرح کیا جارہا ہے عموی طور پر اقلیتوں کو غیر انسانی مخلوق سمجھا جاتا ہے پاکستان میں گھروں میں کام کرنے والے ملازمین کی حالت بظاہر تو بہتر نظر آتی ہے لیکن درحقیقت انہیں بھی متعدد مشکلات کا سامنا کرنا پڑتاہے تاہم مسیحی گھریلو ملازمین کو ہندوملازمین کے مقابلے میں کم مسائل درپیش ہوتے ہیں اس کے برعکس زرعی زمینوں پر کام کرنے والے غیر مسلم مزدوروں کو انتہائی حقارت سے دیکھا جاتا ہے

زرعی زمینوں پر جبری مشقت

پاکستان میں زرعی زمینوں پر کام کرنے والے مسلم اور غیرمسلم شہریوں کو متعدد مسائل کا سامنا کرناپڑتا ہے ،تاہم دیہی علاقوں کے غیرمسلم شہری غلاموں جیسی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں، ان کو اپنی محنت کی اجرت بھی مالکان کی مرضی سے ادا کی جاتی ہے ان کے لیے اوقات کار کادورانیہ بھی طویل ہوتا ہے اور کسی قسم کا سماجی تحفظ حاصل نہیں ہوتا سندھ کے پست اقوام ہندو آج بھی غلامی کی زندگی بسر کررہے ہیں نچلی ذات کے وہ لوگ جو نہری

علاقوں میں رہتے ہیں وہ تو شروع سے ہی مجبور اور بے بس ہیں کیونکہ وہ دوسروں کی زمینوں پر کاشت کاری کرتے ہیں اور بہت زیادہ کام کے بدلے برائے نام معاوضہ حاصل کرتے ہیں ان لوگوں کو چونکہ لکھنا پڑھنا نہیں آتا لہٰذا ان کی تمام رقوم کا حساب کتاب جاگیردار کے پاس ہوتا ہے جو اپنی مرضی سے کام کا معاوضہ دیتا ہے اور قرض پر اپنی مرضی سے سود لگاتا ہے جبکہ جو لوگ نہری علاقوں میں نہیں رہتے وہ قحط اور خشک سالی کی وجہ سے نہری علاقوں میں جاکر جاگیرداروں سے قرض لیتے ہیں اور پھر وہ بھی غلامی کی زندگی میں جکڑ لیے جاتے ہیں۔ ۲۸ پاکستان کا جاگیردارانہ نظام غربت میں اضافے کا بڑاسبب ہے جبکہ پاکستان میں دیہی مسیحیوں کا روزگار ان ہی جاگیرداروں اور بڑے کسانوں کے رحم وکرم پرہے چرچ آف پاکستان بذات خودمتعدد مسائل کا شکار ہے جس کی وجہ سے سماجی ترقیاتی کاموں میں مسیحی عوام کی خاطر خواہ خدمت انجام نہیں دے سکتا۔ ۲۹ ۱۹۷۱ء میں حکومت نے زرعی اصلاحات کیں تو زمین کے مالکان نے مسیحیوں کو اس وجہ سے اپنی زمینوں سے بے دخل کر دیا کہ کہیں وہ ان زمینوں کے مالک نہ بن جائیں‌اور اس کے نتیجے میں یہ لوگ جو پہلے غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے اب اس غلامی سے بھی نچلی سطح پر آ گئے کیونکہ غلامی کی صورت میں انہیں سنگین موسموں سے تحفظ کے لیے کم از کم چھت کی سہولت مہیا تھی لیکن اب وہ بھی چھین لی گئی۔ زمینوں سے بے دخل ہونے کے نتیجے میں جو مسیحی شہروں میں آ کر آباد ہوئے تھے وہ جمعدار، اچھوت اور بھنگی بن کر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوگئے فادر ڈیرک نے ہندوؤں اور عیسائیوں کے سینکڑوں گھرانوں کو تھل اور چولستان کی غیر آباد اور بنجر زمینوں کاقبضہ دلوایا جس کے نتیجے میں بعد میں آنے والی حکومت ان کی دشمن بن گئی اورانہیں ملک چھوڑنے پر مجبور کردیا گیا فادر ڈیرک کو ملک تو چھوڑنا پڑا لیکن ان کی اس قربانی سے ہزاروں غیرمسلموں کو زمینیں مل گئیں۔ ۳۰ اب بھی ملک بھر میں عیسائی خاندانوں کو زبردستی کھیتوں میں کام کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے جبکہ سرکاری ادارے بھی ان کی مدد کو آمادہ نہیں۔ ۳۱

مندرجہ بالا بحث سے پسماندہ مذہبی اقلیتوں کے مسائل کااندازہ لگایا جاسکتا ہے زرعی زمینوں پر غیرمسلم شہریوں کی بڑی تعداد کام کرتی ہے لیکن اپنے بنیادی حقوق سے محروم ہے،

اگرچہ یہ لوگ مزدوری کرتے ہیں لیکن ان پر کسی لیبر لاء کا نفاذ نہیں ہوتا، نہ تو انہیں مناسب اجرت دی جاتی ہے اور نہ ہی علاج معالجے کی کوئی سہولت۔ اگرچہ پاکستان میں مزدوروں کے لیے حکومت کی جانب سے خاطر خواہ فلاحی اقدامات نہیں کیے گئے لیکن زرعی زمینوں پر کام کرنے والے زیادہ تر مزدوروں کو وہ کم از کم تنخواہ بھی ادا نہیں کی جاتی جو صنعتی مزدوروں کو دی جاتی ہے اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ زرعی زمینیں شہروں سے دور دیہی علاقوں میں ہوتی ہیں جہاں جاگیردارانہ نظام کے باعث لوگوں کو غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے جب کہ دوسری وجہ مذہبی اقلیت ہونا ہے۔ پاکستان میں زرعی مزدوروں کو بہت کم معاوضہ دیا جاتا ہے جس سے ان کا گزارا نہیں ہوتا، بیماری یا مصیبت کے وقت یہ مزدور اپنے زمینداروں سے سود پر قرض لیتے ہیں، یہ قرض روز بروز بڑھتا رہتا ہے ،اس قرض کے بدلے ان کی اولاد بھی غلام بنادی جاتی ہے زرعی زمینوں پر جبری مشقت کرنے والوں کی بڑی تعداد مسیحی اور نچلی ذات کے ہندو خاندانوں سے تعلق رکھتی ہے۔

غیر مسلم قیدیوں کے مسائل

پاکستان میں جہاں مذہبی اقلیتوں کو آزاد ہونے کے باوجود متعدد سماجی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہاں غیر مسلم قیدیوں کے بھی بے شمار مسائل ہیں۔ جیل کے اندر مسلم اور غیر مسلم قیدیوں کو برابر پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے پاکستان کی جیلوں میں بے گناہ قیدیوں کو بھی ایسا ماحول ملتا ہے جس کے سبب وہ جرائم کے عادی ہوجاتے ہیں البتہ بعض صورتوں میں غیر مسلم قیدیوں کو خاص طور پر زیادہ پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔**۳۲**

رہائشی مسائل

بڑھتی ہوئی مہنگائی او ربے روزگاری نے غریب عوام کے لیے جہاں دیگر سماجی مسائل پیدا کیے ہیں وہاں ان کے لیے رہائشی مسائل میں بھی اضافہ ہوا ہے عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ رہائشی مسائل کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ جس طرح اقلیتی شہریوں کو مکانات خریدنے یا کرائے پر لینے کے لیے رقم خرچ کرنا پڑتی ہے، اسی طرح غریب

اکثریتی طبقے کو بھی رقم کی ادائیگی کرنا پڑتی ہے لہٰذا رہائشی مسائل سب کے لیے یکساں ہیں لیکن عموماً ان کی آبادیوں میں پانی، بجلی اور قدرتی گیس جیسی سہولیات مہیا نہیں کی جاتیں اور بعض اوقات اقلیتی آبادیوں کو خالی کروانے کے لیے منفی اقدامات کاسہارا لیاجاتا ہے۔

مسیحی شہریوں کے رہائشی مسائل کا تذکرہ کرتے ہوئے گلزار وفا چوہدری نے مذہبی انتہا پسندی اور تشدد کی بڑھتی ہوئی کارروائیوں پر تشویش ظاہر کی ہے پاکستان میں مسیحی عوام کو دوہرے مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، ایک طرف تو قدرتی آفات سے ان کی بستیاں اجڑ جاتی ہیں اور دوسری طرف بعض انتہا پسند پرتشدد کاروائیوں کے نتیجے میں لوگوں کو بے گھر کر دیتے ہیں جیسا کہ ۱۹۹۷ ء میں لوگوں کے مشتعل ہجوم نے شانتی نگر کے غریب عیسائیوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک کا مظاہرہ کیا چوہدری کا کہنا ہے کہ روزگار اور تعلیم کی فراہمی کا کام بھی کافی حد تک خود مسیحی انجام دے رہے ہیں اس کے باوجود مسیحیوں کا تعلیم یافتہ طبقہ یہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور ہے کیونکہ پاکستانی سماج میں ان لوگوں کو متعدد مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔[۳۳] پاکستان میں بستیوں میں رہنے والے عیسائیوں کے خاندان کے تمام افراد کام کرتے ہیں یہ لوگ مل کر کام کرتے ہیں اور جلدی جلدی کام کرکے فارغ ہوجاتے ہیں۔ چونکہ ان لوگوں کے پاس فالتووقت ہوتاہے لہٰذایہ لوگ سماجی برائیوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں اس ضمن میں سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ مسیحیوں کو شہر سے دور بستیوں میں رکھاجاتاہے جہاں کسی قسم کی تفریحی سہولت مہیا نہیں ہوتی جس کے نتیجے میں متعددمسیحی منشیات کے استعمال کے عادی ہوجاتے ہیں۔[۳۴]

غیر مسلم شہریوں کے رہائشی مسائل سے منسلک دیگر مسائل میں روزگار اور تعلیمی سہولیات کی عدم دستیابی، کچے مکانات کاقدرتی آفات سے متاثر ہونا اور مسلم آبادی کا اقلیتی آبادیوں پر حملے کرنا شامل ہیں، اسی طرح مسیحی شہریوں کے پاس وقت کابہتر مصرف نہیں ہوتا جس کے سبب ان آبادیوں میں منشیات کے مسائل بھی پیدا ہوتے ہیں اکثریتی طبقے کی جانب سے مسیحیوں، ہندوؤں اور سکھوں میں کوئی زیادہ فرق قائم نہیں کیا جاتااور ان تمام کومسیحی یا ہندوکی حیثیت سے نہیں بلکہ غیر مسلم کی حیثیت سے دیکھاجاتا ہے عام طور پر تمام اقلیتی

آبادیاں منشیات فروشوں کے لیے محفوظ پناہ گاہیں بن جاتی ہیں اور منشیات فروش پہلے تو ان پڑھ غیر مسلم نوجوانوں کو منشیات کا عادی بناتے ہیں اور بعد ازاں انہیں منشیات کی خرید وفروخت کے لیے استعمال کرتے ہیں، منشیات فروشوں کی طرف سے ایسے ہی اقدامات مسلمان آبادیوں میں بھی دیکھے جاتے ہیں لیکن اقلیتی آبادیوں میں یہ مسائل نسبتاً زیادہ پائے جاتے ہیں کیونکہ یہاں غیر مسلموں کے بچے کم علمی، زیادہ بے روزگاری اور تفریحی سہولیات سے محرومی کے سبب منشیات کی طرف زیادہ راغب ہو سکتے ہیں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کی توجہ بھی ان علاقوں میں کم ہوتی ہے جس کے باعث منشیات فروشوں کے گروہ ان اقلیتی آبادیوں میں اپنا کاروبار مستحکم کر لیتے ہیں۔

غیر مسلم خواتین کے مسائل

پاکستان میں خواتین کو کئی قسم کے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے،کوئی بھی خاتون چاہے وہ اکثریتی طبقے سے ہو یا اقلیتی طبقے سے تعلق رکھتی ہو، اگر وہ کسی بھی کام کے لیے گھر سے باہر نکلتی ہوتو اسے کسی نہ کسی حوالے سے ضرور پریشان کیا جاتاہے پاکستان میں غیر مسلم خواتین کو خاص طور پر سماجی مسائل درپیش ہوتے ہیں کیونکہ خواتین ہونے کی وجہ سے انہیں ان تمام مسائل کا سامنا کرنا پرتا ہے جو کہ اکثریتی طبقے کی خواتین کرتی ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ غیر مسلم ہونے کے سبب انہیں زیادہ تکالیف برداشت کرنا پڑتی ہیں روزگار کرنے والی غیر مسلم خواتین کو کم تنخواہ دے کر زیادہ کام کرنے پر مجبور کیاجاتا ہے،اکثر اوقات انہیں ہفتہ وار چھٹی بھی نہیں دی جاتی نیز انہیں جنسی تشدد کا نشانہ بھی زیادہ آسانی سے بنایاجاتاہے اقلیتی خواتین کے مسائل کو زیر بحث لاتے ہوئے سید عبدالخالق کہتے ہیں کہ زیادہ تر غیر مسلم خواتین گھروں میں ملازمت کرتی ہیں اور انہیں صبح سے لے کر رات گئے تک گھروں میں کام کرنا پڑتا ہے، ان خواتین کو زیادہ کام کے بدلے انتہائی قلیل معاوضہ ادا کیاجاتا ہے۔ خالق کے بقول ان خواتین کومردوں کے جنسی و جسمانی تشدد کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔**۳۵** کیونکہ غریب گھرانوں کی متعدد غیر مسلم لڑکیاں اور خواتین اپنی عزتوں سے

محروم ہو چکی ہیں جنہیں انصاف کی کوئی کرن دکھائی نہیں دیتی۔۳۶ پاکستانی معاشرے میں احمدیوں کو سماجی لحاظ سے گراکر اس مقام سے بھی پست لایا گیا ہے جو ہندوستان کے برہمن معاشرے میں اچھوتوں کا ہے ،پاکستانی معاشرے میں احمدیوں کو نفرت وحقارت سے دیکھا جاتا ہے پاکستان میں احمدیوں کے لیے ملا مافیا نے جو مسائل پیدا کر رکھے ہیں ان میں سے ایک مسئلہ احمدی لڑکیوں کی زندگیاں برباد کرنا ہے، میر اور شاہ نے وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ بہت سے مسلمان مرد خود کو احمدی ظاہر کرکے احمدیوں سے سماجی تعلقات قائم کر لیتے ہیں اور احمدی لڑکیوں سے شادی کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں لیکن بعد میں جب ان کی اصلیت کا پتہ چلتا ہے تو وقت گزر چکا ہوتا ہے مصنفّین کے مطابق شادی کے بعد احمدی لڑکیوں پر شدید دباؤ ڈالا جاتا ہے کہ وہ اپنے احمدی عقائد سے منحرف ہو جائیں احمدی لڑکیوں کو اپنے عقائد نہ چھوڑنے کی صورت میں طلاق حاصل کرنا پڑتی ہے۔ مصنفّین کا کہنا ہے کہ ایسی متعدد احمدی لڑکیاں مسلمان مردوں سے شادی کے بعد طلاق حاصل کرکے پاکستان کے مردانہ معاشرے کے رحم و کرم پر ہیں۔۳۷ اختر حسین بلوچ کی تحقیق کے مطابق اچھوت خاندانوں کی خواتین خاکروب کا کام کرتی ہیں ان کے مرد بھی ان پڑھ ہونے کی وجہ سے اپنے بچوں کو خود تعلیم نہیں دے سکتے جبکہ غربت کے باعث تعلیمی اداروں میں بھی بچوں کو داخل نہیں کرواسکتے یہ لوگ عدم تحفظ کا شکار ہوتے ہیں لہٰذا جلد از جلد اپنی بچیوں کی شادی کر دیتے ہیں تاکہ انہیں کوئی جنسی تشدد کا نشانہ نہ بنائے بلوچ کے بقول اچھوت ذات کے لوگوں کو اونچی ذات کے ہندواپنے مندروں میں بھی نہیں جانے دیتے لہٰذا یہ لوگ بے انتہا مظالم کا شکار ہیں۔ ان کی خواتین کو جنسی طور پر ہراساں کیا جاتا ہے ان کے لیے صحت وعلاج معالجے کی سہولتوں کا تو تصور ہی نہیں ہے۔ مصنّف کا مزید کہنا ہے کہ ان لوگوں کو نہ تو سیاسی جماعتوں نے کبھی اپنے ساتھ شامل کرنے کی کوشش کی اور نہ ہی خود اونچی ذات کے ہندوؤں نے انہیں انسان کا درجہ دیا ،یہی وجہ ہے کہ آج تک ان لوگوں کو سماجی امتیازی رویوں کا سامنا کرنا پڑرہا ہے۔۳۸ غلام محی الدین نے کراچی کی ہندواقلیت کے سماجی مسائل پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ماضی میں ہندو عورتیں مسلمان عورتوں کی

طرح پردہ کرتی تھیں اور مسلمان صوفیا کے مزاروں پر جاکر دعائیں بھی مانگتی تھیں لیکن موجودہ کراچی کی ہندو عورتیں بہت سے مسائل کا شکار ہیں خراب معاشی حالات نے انہیں لوگوں کے گھروں میں جھاڑو لگانے پر مجبور کردیا ہے یہ خواتین مچھلی اور چاول کا سالن بنا کر بیچتی ہیں بعض عورتیں مرغیوں کے پنجے اور پروں کا سالن بنا کر فروخت کرتی ہیں، کچھ خواتین سڑکوں پر کھڑی ہوکر بھیک مانگتی ہیں اور کچھ پھولوں کے گجرے فروخت کرتی ہیں۔[۳۹]

مندرجہ بالا بحث سے اقلیتی خواتین کے مسائل واضح ہوتے ہیں یہ مسائل اس قدر عام ہو چکے ہیں کہ عمومی طور پر انہیں نظر انداز کر دیاجاتا ہے اقلیتی خواتین کو اغوا کرنے، ان کے ساتھ زبردستی شادی کرنے اور جنسی تشدد کے واقعات آئے روز اخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں پاکستان میں انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے کام کرنے والے اداروں کی طرف سے شائع کی جانے والی رپورٹوں میں بھی اس قسم کے بے شمار مسائل کی نشاندہی کی جاتی ہے جنہیں حل کیے بغیر سماجی انصاف قائم نہیں کیاجاسکتا تبدیلی مذہب کے واقعات خاص طور پر قابل ذکر ہیں جو پاکستان میں اقلیتی خواتین کے کمزور سماجی رتبے کی طرف اشارہ کرتے ہیں اس ضمن میں فادر فرانسس ندیم کا کہناہے کہ حکومت کو مسیحیوں کے عائلی قوانین پر سختی سے عمل در آمد کروانا چاہیے کیونکہ مسلمان مرد کسی بھی شادی شدہ یا غیر شادی شدہ غیر مسلم لڑکی کو اغوا کر کے اس کواسلام قبول کرنے پر مجبور کر سکتا ہے اور اس کا مسیحی نکاح توڑ کر اس سے شادی بھی کر سکتا ہے محض اخبارات میں بیان حلفی اور خودمختاری کے بیانات چھاپ کر مسیحی نکاح توڑدیا جاتا ہے جیسے کہ یہ ایک کچا دھاگا تھا اور اب پل بھر میں ٹوٹ گیا اب تو پاکستان میں مسیحی خواتین کے نکاح توڑنے کے 'شارٹ کٹ' طریقے جاری کیے جا چکے ہیں اگر کوئی مسلمان لڑکی اپنی مرضی سے بھی کسی مسیحی لڑکے سے تعلقات استوار کر لے تو مسلمان لڑکی سے کسی قسم کی پوچھ گچھ کرنے کی بجائے فوری طور پر مسیحی لڑکے کو قتل کردیا جاتا ہے[۴۰] پاکستان میں مسلم مرد تو غیر مسلم عورت کو اسلام میں داخل کر کے اس سے شادی کر سکتا ہے لیکن کوئی غیر مسلم مرد کسی مسلمان خاتون سے شادی کا تصور بھی نہیں کر سکتا جب تک وہ بھی اسلام قبول نہ کر لے۔[۴۱] صرف یہی نہیں بلکہ سندھ میں ہندو لڑکیوں کا

اغوا معمول بن چکا ہے ایسے بے شمار واقعات رپورٹ کیے گئے ہیں کہ ا سکول یا کالج جانے والی ہندو لڑکی واپس نہیں آتی اس کے گھر والے تھانوں میں جا کر ایف آئی آر کااندراج کرواتے ہیں اور پولیس والدین کو یقین دلاتی ہے کہ ان کی لڑکی جلد بازیاب کر لی جائے گی اگلے چند دنوں میں پولیس لڑکی کے والدین کو اطلاع دیتی ہے کہ ان کی لڑکی نے اسلام قبول کر کے ایک مسلمان سے شادی کر لی ہے اور یہی بیان لڑکی عدالت میں بھی دے دیتی ہے کہ اس نے خود اسلام قبول کیاہے۔[۴۲]

اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں اورپاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی رپورٹوں کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ مسیحی اور ہندو گھرانوں کی لڑکیوں کو پہلے اغوا کیا جاتا ہے پھر ان پر جسمانی تشدد کیاجاتا ہے، ان کے ساتھ جنسی زیادتی کی جاتی ہے، آخر میں انہیں اسلا م قبول کروا کے ان کی شادیوں کا ''اہتمام'' کیا جاتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کسی غیرمسلم لڑکی کو اسلام قبول کروانے کے لیے اغو اکر کے جنسی تشدد کا نشانہ کیوں بنایا جاتا ہے ؟ اس قسم کی مذہبی تبدیلی کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں بلکہ اسلا م نے واضح ہدایت دی ہے کہ'دین میں کوئی جبر نہیں' ایک سوال یہ بھی ذہن میں آتا ہے کہ جب کسی لڑکی کو اغوا کر کے اس ساتھ جنسی تشدد کیا جائے گا اور یہ کام کسی مسلمان یا کئی مسلمانوں کی طرف سے کیا جائے گا تو متاثرہ لڑکی یا عور ت دل سے اسلام کیسے قبول کر سکتی ہے؟ یہ بات انتہائی غور طلب ہے کہ قبول اسلام کے واقعات عورتوں کے ساتھ ہی کیوں پیش آتے ہیں اصل بات قبول اسلام کی نہیں بلکہ غیرمسلم لڑکیوں سے شادیاں کرنے کی ہے کیوں کہ پاکستانی معاشرے میں جنسی تشدد کا شکار ہوجانے والی لڑکی کوشادی کے لیے شاید ہی قبول کیاجاتا ہو اگر کوئی غیرمسلم لڑکی اغوا کے بعدوالدین کے پاس پہنچ بھی جائے تو وہ اسے اپنے پاس کس طرح رکھ سکتے ہیں جب ان کے خاندان کی عزت خاک میں مل چکی ہو یہی وجہ ہے کہ غریب خاندان کی لڑکیوں کو پہلے اغوا کیاجاتا ہے، پھر ان کے ساتھ جنسی تشدد کیا جاتا ہے جس کے بعد متاثرہ لڑکی کے پاس قبول اسلام کے سو ا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہوتا

تعلیمی مسائل:

دیگر سماجی مسائل کی طرح اقلیتوں کے لیے تعلیمی مسائل بھی نمایاں ہیں، بھٹو دور میں جہاں ایک طرف ملک میں اسلامی قوانین نافذ کیے گئے وہاں اقلیتوں سے ان کے اپنی ہی تعلیمی ادارے چھین لیے گئے اقلیتی تعلیمی اداروں میں ملک کے نامور سیاست دانوں نے تعلیم حاصل کرکے نمایاں شہرت حاصل کی یہ مسیحی تعلیمی ادارے تھے جنہوں نے تحریک پاکستان کے قائدین کی تربیت کی، نہ صرف مسلمان بلکہ ہندو، عیسائی، سکھ، بدھ اور پارسی رہنماؤں نے بھی مسیحی اداروں سے تعلیم حاصل کی،درحقیقت مسیحی اداروں نے غلام قوم کو آزاد ی کی راہ دکھائی۔[۴۳] بھٹو کے دور میں مسیحیوں کے تعلیمی ادارے حکومتی تحویل میں لیے گئے توعیسائیوں نے اس کے خلاف ملک گیراحتجاجی تحریک کا آغاز کیا، اس تحریک میں خواتین نے بھی مردوں کے شانہ بشانہ کام کیا اور اس حکومتی اقدام کے خلاف جلسے جلوس منعقد کیے۔[۴۴] گلزار وفا چوہدری نے ۱۹۷۲ء میں نیشنلائزیشن کے نام پر سرکاری تحویل میں لیے جانے والے اہم مسیحی تعلیمی اداروں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حکومت نے مسیحی تعلیمی اداروں کو قومیایا تو اس سے مسیحیوں کو شدید دھچکا برداشت کرنا پڑا اس میں درجنوں کالج اور سینکڑوں سکول شامل تھے۔[۴۵] مسیحی مشنریوں کی آمد سے قبل ہندوستانی عوام کی اکثریت غلامی کی زندگی بسر کر رہی تھی اور لوگوں کو سماجی و ثقافتی آزادی حاصل نہ تھی اکبر کے دور میں مذہبی رواداری کو فروغ ملا جس کے نتیجے میں یہاں عیسائی مشنری بھی آئے لیکن اکبر کے بعد مسیحیوں کو چن چن کر قتل کر دیا گیا مسیحی تعلیمی خدمات کا باقاعدہ آغاز ہندوستان پر انگریزوں کے قبضے کے بعد سے ہوا انگریزوں نے اپنی روحانی ضروریات کی تکمیل کی خاطر مشنری اسکولوں کی بنیادیں رکھیں اور متعدد سسٹرز کو اسکول چلانے کی دعوت دی گئی پھر دیکھتے ہی دیکھتے ہندوستان میں مشنری تعلیمی اداروں کا جال بچھ گیا۔[۴۶] اگرچہ پاکستان کے مسیحی تعلیمی ادارے غریبوں کی خدمت کے جذبے سے کام کر رہے تھے لیکن حکومت نے انہیں قومیا کر مسیحیوں کو صدمے سے دوچار کیا۔ پاکستانی حکمرانوں نے محض ان مسیحی تعلیمی اداروں کوقومیایا جو غریبوں کے بچوں کی تربیت کر رہے تھے اور جہاں عیسائی طلبہ تعلیم حاصل کر

رہے تھے جبکہ حکومت نے ایسے تمام تعلیمی اداروں کوقومیانے سے گریز کیا جہاں حکمرانوں کے بچے تعلیم حاصل کر تے تھے۔[۴۷] پاکستان کے اندر کلیسا نے مسیحیوں کو قوت فراہم کر کے انھیں آپس میں متحد رکھنے کے لیے نمایاں کام کیا جو کام حکومت نے کرنا تھا وہ کلیسا نے کر دکھایا یہ کلیسا تھی جس نے مسیحی تعلیمی اداروں میں نہ صرف مسیحیوں کوتعلیم دی بلکہ غیر مسیحی لوگوں کو بھی زیورتعلیم سے آراستہ کیا۔ [۴۸]

مندرجہ بالا بحث سے اقلیتوں کے تعلیمی مسائل کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ملک میں قومیانے کی پالیسی نافذ کی گئی تو اس کے تحت سب سے زیادہ تعداد میں مسیحی اداروں کو قومیایا گیا کیونکہ اس وقت مسیحی اداروں کی تعدادہی سب سے زیادہ تھی کراچی کا مشہور این جے۔ وی اسکول نارائن جگن ناتھ کے نام سے منسوب ہے جسے گجرات کے ہندو ماہر تعمیرات نے تعمیر کیا تھا یہاں کا مشہور کالج ڈی۔ جے کالج دیارام جیٹھ مل نے تعمیر کرایا تھا لیکن آج کراچی کے ہندوتعلیم سے محروم ہیں گوٹھوں (کچی آبادیوں) کے رہائشی بچے تو اسکول کا منہ تک نہیں دیکھتے، ہندوؤں کی تعلیمی سرگرمیاں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ مذہبی تعلیم سے بھی بہت کم لوگوں کو لگاؤ ہے، ان کی ہندی زبان جاننے والا کوئی باقی نہیں رہا پہلے یہ لوگ اپنی کتابیں بھارت سے منگواتے تھے جوہندی زبان میں لکھی ہوتی تھیں لیکن اب چونکہ یہ لوگ ہندی نہیں جانتے اس لیے بھارت سے کتابیں منگوانے کا سلسلہ بھی ختم ہورہا ہے۔ اب یہ لوگ اپنی مذہبی کتابوں کے اردوتراجم خرید کر پڑھتے ہیں لیکن یہ رواج بھی بہت کم ہے۔[۴۹]

تعلیم کا حصول ہر شہری کا بنیادی حق ہے لیکن پاکستان میں غربت، بے روزگاری اور مہنگائی کے سبب خواندگی کی شرح انتہائی کم ہے پسماندہ مذہبی اقلیتوں کے لیے یہ مسائل مزید زیادہ ہیں غیر مسلم شہری اوّل تو غربت کے باعث اپنے بچوں کوتعلیمی اداروں میں نہیں بھیج سکتے اور اگر کوئی غیر مسلم اپنے بچوں کو سکول میں داخل کروابھی دے تو وہاں چھوٹے بچوں کوبھی تعصّب کا سامنا کرنا پڑتا ہے مسیحیوں، ہندوؤں اور سکھوں کے بچوں سے نہ صرف مسلمانوں کے بچے تعصّب کے سبب لڑائی جھگڑا کرتے ہیں بلکہ اساتذہ کی جانب سے بھی غیر مسلم طلبہ کو شدید تعصّبات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مزید یہ کہ سرکاری تعلیمی اداروں میں

کوئی تسلی بخش سہولت موجو دنہیں اور ان میں اقلیتی اساتذہ کی تعداد بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس کے برعکس جہاں جہاں اقلیتی شہریوں کے لیے اقلیتی طبقے سے تعلق رکھنے والے اساتذ ہ کی سہولت موجود ہے وہاں بچوں کو پڑھنے میں بہت آسانی رہتی ہے لیکن ایسی سہولت بہت کم علاقوں میں موجود ہوتی ہے خود مسیحیوں کے تعلیمی اداروں میں فیس کی شرح زیادہ ہے جس کے سبب غریب مسیحی اپنے بچوں کو وہاں داخل نہیں کروا سکتے اور ان تعلیمی اداروں میں طلبہ کی بہت بڑی تعدا د اکثریتی طبقے سے تعلق رکھنے والوں کے بچوں کی ہوتی ہے

باہمی مکالمہ کا فقدان

مذہبی تعصّب، عدم رواداری، امتیازی رّویے اور اس قسم کے دیگر مسائل جن کا تعلق اکثریت اور اقلیت دونوں سے ہے انہیں باہمی مکالمے سے حل کیا جاسکتا ہے باہمی مکالمے کی مدد سے نہ صرف اکثریت اور اقلیت کے درمیان رابطہ پیدا ہوگا اور اکثریتی طبقہ اقلیتوں کے مسائل سے آگاہ ہوسکے گا بلکہ کسی حد تک اکثریت کے دل میں اقلیت کے لیے نرم گوشہ بھی پیدا ہونے کی امید کی جاسکتی ہے فادر جیمز چنن نے مسیحی مسلم مکالمے کی اہمیت و ضرورت بیان کرتے ہوئے ان سماجی و سیاسی مسائل کی جھلک دکھائی ہے جن کی وجہ سے پاکستان میں بسنے والے غریب مسلم اورغیر مسلم طبقے میں فرق محسوس نہیں کیا جا سکتا موجودہ دور میں پاکستان کو بے شمار اندرونی و بیرونی مسائل کا سامنا ہے اور ان کا اثر بلا امتیاز مذہب ہر ایک انسان پر پڑتا ہے ملک میں بڑھتی ہوئی لاقانونیت، فرقہ واریت، دہشت گردی، بھوک وافلاس، بیروزگاری اور پینے کے لیے پانی کی عدم فراہمی ایسے ہی مسائل ہیں جن کی وجہ سے پاکستان کا ہر شہری فکرمند ہے یہی وجہ ہے کہ موجودہ حالات میں مسیحی مسلم مناظرے کی بجائے باہمی مکالمے کی ضرورت ہے۔**۵۰** پاکستان میں مسلم مسیحی مکالمہ نہ ہونے کی بڑی وجہ تاریخی واقعات ہیں جو نفسیاتی طور پر ہمیں قریب نہیں آنے دیتے لہٰذا ہمیں گزشتہ باتوں کو بھلا کر اپنے روّیوں میں مثبت تبدیلی لانا ہوگی اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ہم اپنا مذہب تبدیل کر کے اتنا سکون حاصل نہیں کرسکتے جتنا روّیے تبدیل کر کے اطمینان حاصل کر سکتے ہیں۔**۵۱** کیونکہ مسلمان، ہندو، سکھ اور عیسائی جب مسجد، مندر، گردوارے اور گرجا گھر میں

جاتے ہیں تو سب سے پہلے وہ اپنا مذہب دیکھتے ہیں اس کے بعد وہ اپنے مذہب کی عبادت گاہ میں داخل ہوتے ہیں لیکن صوفیاء کے مزار پر سبھی جاتے ہیں صوفی ازم کا کوئی مذہب نہیں ہوتا یہ مسیحیوں کی صوفیاء سے محبت ہے جس کے باعث پاکستان میں مسیحیوں نے مشکل ترین حالات کے باوجود دوسروں کے دکھ درد میں شرکت کی۔**۵۲**

مندرجہ بالا بحث سے واضح ہوتا ہے کہ پاکستان ترقی پذیر ملک ہے جہاں اقلیت اور اکثریت کے متعدد سماجی مسائل کی نوعیت یکساں ہے کم از کم ایسے مسائل کو لڑنے کی بجائے باہمی مکالمے سے حل کرنے کی ضرورت ہے جن کا تعلق مذہب سے نہیں بلکہ معیشت سے ہے اس ضمن میں حکومت کو بھی متحرک ہونے کی ضرورت ہے مسلم اور غیر مسلم رہنماؤں میں مکالمہ ہی واحد ذریعہ ہے جس کی مدد سے پاکستانی شہریوں میں رواداری، محبت اور امن کے جذبات پروان چڑھائے جاسکتے ہیں۔

حوالہ جات

۱- نورین نذیر، '*مذہبی و معاشرتی مسائل*'، مشمولہ، ذکیہ طارق، فادر عمانوئیل عاصی، (مرتب)، '*رسالت کے افق*' ،گوجرانوالہ: مکتبہ عناویم پاکستان، ۱۹۹۷ء، ص۷۶۔

۲- ڈاکٹر مبارک علی، رضی عابدی، '*اچھوت لوگوں کا ادب*'، لاہور: فکشن ہاؤس، اشاعت دوم ۲۰۰۴ء، ص ص۳۳-۳۰۔

3- Syed Abdul Khaliq, *Religious Minorities: Charter Of Demands,* Lahore: Minority Rights Commission, 2008. pp.4-6.

۴- غلام محی الدین، ''*ہندو اقلیت کے شب وروز: ماضی اور حال کے آئینے میں*''، جنگ: ٹڈویک میگزین، ۲۵ اپریل ۲۰۰۱ ص۶- ۲۔

۵- محبوب صدا، '*پاکستان میں مسیحی ہونا*'، مشمولہ،ذکیہ طارق، فادر عمانوئیل عاصی، (مرتب)، '*رسالت کے افق*'، ص۸۹۔

۶- ڈاکٹر مبارک علی، رضی عابدی، محولہ بالا، ص۲۵۔

۷- ایضاً، ص۲۶۔ ۲۹۔

۸- اختر حسین بلوچ '*سندھ میں شیڈول کاسٹ سے متعلق سروے*، کراچی: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق ،۲۰۰۵ ص ص۱۹۔ ۲۴۔

۹- ایضاً، ص ص۱-۳۔

۱۰- نورین نذیر، محولہ بالا، ص ص۷۹-۸۳۔

11- Dr. Pervaiz Sultan, *Church & Development,* Karach: Fact Publications, 2001.pp. 174-87

۱۲- احمد سلیم، '*پاکستان اور اقلیتیں*'، کراچی: مکتبہ دانیال،۲۰۰۰ء، ص ۲۲۵۔

۱۳- محبوب صدا، '*پاکستان میں مسیحی ہونا*'، مشمولہ، ذکیہ طارق، فادر عمانوئیل عاصی (مرتب) '*رسالت کے افق*'، محولہ بالا، ص ۹۳۔ ۸۹۔

۱۴- گلزار وفا چوہدری، '*پاکستان میں مسیحی سماجی خدمات کے پچاس سال*'،فادر فرانسس ندیم(مدیر)،'یہ دیس ہماراہے'، محولہ بالا، ص ۲۹-۲۲۸۔

۱۵- ایضاً۔

۱۶- ڈاکٹر پرویز سلطان،'*غربت کے فرزند*(پاکستان میں غربت اور مسیحی طرزِ عمل)'، (اشاعتِ دوم)، کراچی: فیکٹ پبلی کیشنز ،۲۰۰۰ء، ص ص ۴۱-۲۲۔

17- Dr. Pervaiz Sutan, op.cit., pp. 185-89

۱۸- اختر حسین بلوچ، محولہ بالا، ص ۴ ۲۔

۱۹- ایضاً، ص ۹۔

۲۰- ڈاکٹر پرویز سلطان، 'غربت کے فرزند'، محولہ بالا ،ص ص ۵۷-۵۶۔

۲۱- آفتاب الیگزنڈر مغل،'*سیاست*'،مشمولہ، حمید ہنری (مدیر) 'قومی مسیحی مشاہیر'،گوجرانوالہ: مکتبہ عناویم پاکستان، ۱۹۹۷ء،ص ۱۶۵۔

۲۲- غلام محی الدین، محولہ بالا، ص۶-۲۔

۲۳- اختر حسین بلوچ، محولہ بالا، ص ۹۔

۲۴- فادر بونی مینڈس '*انسانی حقوق*'،مشمولہ، حمید ہنری (مدیر) 'قومی مسیحی مشاہیر'، محولہ بالا، ص ۷۵۔

25- Dr. Pervaiz Sultan, op. cit., p. 176-79

۲۶- ڈاکٹر مبارک علی، رضی عابدی، محولہ بالا، ص۴۱-۴۰۔

27- Syed Abdul Khaliq, op. cit., pp. 34 -39

۲۸- اختر حسین بلوچ،محولہ بالا، ص ص ۱۵-۱۳۔

29- Dr. Pervaiz Sultan, op. cit., pp. 311-20

۳۰- فادر یوسف گل، '*زراعت*'(تھل اور چولستان کے مسیحی چکوک)، مشمولہ ،حمید ہنری (مدیر) 'قومی مسیحی مشاہیر'، محولہ بالا، ص ۱۵۵

31- Syed Abdul Khaliq, op. cit., p. 34

32- Ibid., p. 39-40

۳۳- گلزار وفا چوہدری، 'پاکستان میں مسیحی سماجی خدمات کے پچاس سال'، محولہ بالا، ص ۲۹۔ ۲۲۱

34- Dr. Pervaiz Sultan, op.cit., pp. 173-74

35- Syed Abdul Khaliq, op.cit., pp. 38-39

۳۶- جنید قیصر، محولہ بالا ،ص۳۷۔

۳۷- تنویر احمد میر، مرتضٰی علی شاہ، 'پاکستان کے مذہبی اچھوت'، اسلام آباد:الحسیب پبلشرز، ۱۹۹۸ء، ص۱۱۵

۳۸- اختر حسین بلوچ، محولہ بالا، ص ص ۳۰۔ ۲۶۔

۳۹- غلام محی الدین، محولہ بالا، ص ص ۶-۲۔

۴۰- فاد رفرانسس ندیم، 'پاکستانی مسیحی اور اکیسویں صدی'، مشمولہ، فادر فرانسس ندیم(مدیر)،'یہ دیس ہمارا ہے'، محولہ بالا ،ص۳۴۴۔

۴۱- جنید قیصر، محولہ بالا ،ص ۴۹۔

42- Anwar Syed, State of Minorities, Daily "Dawn", Karachi.18 June 2006.

۴۳- سلامت اختر، 'تحریک پاکستان کے گمنام کردار'، راولپنڈی: کرسچین سٹڈی سنٹر، ۱۹۹۷ ص ۱۲۵۔

۴۴- عمانوایل ظفر ایڈووکیٹ، 'پاکستان میں مسیحی سیاست کے ۵۰سال'،مشمولہ، فادر فرانسس ندیم(مدیر)،'یہ دیس ہمارا ہے'، محولہ بالا، ص۴۳۷۔

۴۵- گلزار وفا چوہدری، 'پاکستان میں مسیحی سماجی خدمات کے پچاس سال'، محولہ بالا، ص ۲۱۹۔

۴۶- سسٹر نجم دانیل،'تعلیمی ترقی اور مسیحی ادارے'، گوجرانوالہ :مکتبہ عناویم پاکستان، ۲۰۰۵ء، ص ۳۵۔

۴۷- ایضاً، ص ۴۵۔

۴۸- حمید ہنری، 'پاکستان میں کلیسائی مشن'، مشمولہ، ذکیہ طارق، فادر عمانوئیل عاصی، (مرتب)، 'رسالت کے افق'، محولہ بالا ص۲۰۔ ۱۱۸۔

۴۹- غلام محی الدین، محولہ بالا، ص ۶ ۲۔

۵۰- فاد ر جیمز چنن، 'مسیحی مسلم ڈائیلاگ کی اہمیت'،مشمولہ، فادر فرانسس ندیم(مدیر)،'یہ دیس ہمارا ہے'، محولہ بالا، ص ص ۳۳۔ ۳۳۲۔

۵۱- محبوب صدا، 'اسلامی ماحول میں کلیسا کا مشنری ہونا'، محولہ بالا ،ص ص ۲۷۔ ۷۱۔

۵۲- مشتاق اسد، 'مسیحی تثلیت کی مضبوط روحانیت'، مشمولہ، ذکیہ طارق، فادر عمانوئیل عاصی، (مرتب)، 'رسالت کے افق'، محولہ بالا،ص ص ۳۲۔ ۱۳۱۔